JOURNAL OF RESEARCH (URDU)

ISSN (Print): 1726-9067, ISSN (Online):1816-3424
Volume No. 42, Issue No.01

TITLE OF THE PAPER

فراز کی غزل میں عاشق کا کردار (سیاسی تناظر میں)

AUTHOR(S)

* **Sabir Khan**
Ph.D Scholar, Department of Urdu
University of Peshawar, Peshawar

** **Dr. Farhana Qazi**
Associate Professor, Department of Urdu,
University of Peshawar, Peshawar

CONTACT

* sabirkhanbaig60@gmail.com
** farhanaqazi.@uop.edu.com

HISTORY OF THE PAPER

Received on:	June	06, 2026
Accepted on:	June	24, 2026
Published on:	June	30, 2026

DETAIL(S)

Volume No. 42, Issue No. 01, Page No: 82-92
Publisher:
Department of Urdu, Bahauddin Zakariya University
Multan (Pakistan)-60800

LICENSE

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

COPYRIGHT

©The author(s) 2026. ©Journal of Research (Urdu) 2026.
This publication is an open access article.

JOURNAL'S PROFILE

Journal of Research (Urdu) is a bi-annual "Y" category journal approved by Higher Education Commission of Pakistan.
It started in 2001 from Bahauddin Zakariya University, Multan (Pakistan). At that time, it was owned by the Faculty of Languages & Islamic Studies. Later in 2008, Higher Education Commission of Pakistan recognized it as a research journal of Urdu in Category "Z". Since then, it is owned by the Department of Urdu, BZU, Multan. In 2014, it was upgraded and accepted for Category "Y".

CONTACT

Dr. Muhammad Asif
Editor, Journal of Research
Department of Urdu, BZU Multan-60800

MOBILE:
+92 333 6062921

WEBSITE:
https://jorurdu.bzu.edu.pk/website/

EMAIL:
jorurdu@bzu.edu.pk
muhammadasif12@bzu.edu.pk

ADDRESS

Office of the Journal of Research (Urdu), Department of Urdu, Bahauddin Zakariya University, Multan

Journal of Research (Urdu)
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E):1816-3424
Volume No. 42, Issue No. 1, June 2026

* صابر خان ** ڈاکٹر فرحانہ قاضی

فراز کی غزل میں عاشق کا کردار (سیاسی تناظر میں)

The role of the lover in Faraz's ghazal (in a political context)

ABSTRACT

"Ishq" (Love) has been an integral part of Urdu poetry from its inception. From the early days of Deccan to the present era, love has been the central theme for poets, regardless of their stature. Whether it flows in the waves of metaphorical love or surges in the unquenchable sea of divine love, it remains an awe-inspiring presence. In this context, every poet brings forth new interpretations of love, and in the verses of those who stand out in the realms of thought and art, a specific 'Lover's Perception' emerges.

Ahmed Faraz is a prominent poet of the fourth quarter of the twentieth century. He is a representative poet of modern times both within Pakistan and beyond its borders. While his poetry is a central point of research on various aspects of contemporary life, including linguistic diversity, romantic thoughts, resistance elements, and progressive ideologies, his Lover's Perception' also conceals various dimensions. Especially the resistant Character of his lover; whether it is in a political, religious or social context, but this important topic has not been given the attention it deserves in terms of research. Through this Article Ahmad Faraz Lover Perception' will be analyzed in political, social and religious perspective.

KEYWORDS

Urdu Ghazal, Ahmad Faraz, Lover's Perception, political perspective

ادب انسانی شعور کی وہ تشکیل ہے جو اپنے عہد کے داخلی و خارجی محرکات سے نہ صرف متاثر ہوتی ہے بلکہ ان کی ترجمانی کا فریضہ بھی سرانجام دیتی ہے۔ بالخصوص اردو غزل، جو صدیوں تک ایک مخصوص جمالیاتی اور رومانوی دائرے میں گردش کرتی رہی، جدید عہد میں ایک ایسی ہمہ جہت صنف کے طور پر سامنے آتی ہے جس نے اپنے موضوعاتی افق کو غیر معمولی حد تک وسیع کر لیا۔ اس وسعت کے پسِ منظر میں محض فنی ارتقا کارفرما نہیں بلکہ وہ گہرے

سماجی، سیاسی اور فکری عوامل بھی شامل ہیں جنھوں نے انسان کے اجتماعی شعور کو نئی سمتوں سے روشناس کرایا۔ چناں چہ غزل اب صرف حسن و عشق کی کیفیات تک محدود نہیں رہتی بلکہ معاشرتی تضادات، تہذیبی انتشار، اخلاقی زوال اور سیاسی جبر جیسے موضوعات کو بھی اپنے دامن میں سمیٹ لیتی ہے۔

جدید دور کے آغاز کے ساتھ ہی برصغیر میں سیاسی بے چینی، نوآبادیاتی اثرات، آزادی کی جدوجہد اور بعد ازاں ریاستی تشکیل کے مسائل نے ادیب اور شاعر کو محض ناظر نہیں رہنے دیا بلکہ اسے ایک فعال فکری کردار ادا کرنے پر مجبور کیا۔ یہی وہ پس منظر ہے جس میں اردو غزل نے اپنے روایتی سانچوں کو برقرار رکھتے ہوئے نئے موضوعات کو جذب کیا۔ اس عہد کے شعرا نے غزل کی رمزیت، اختصار اور تہذیبی لطافت کو برقرار رکھتے ہوئے اسے ایک ایسے وسیلے میں ڈھال دیا جس کے ذریعے اصلاحِ معاشرہ، تنقیدِ اقدار اور سیاسی شعور کی بیداری ممکن ہو سکی۔ اس طرح غزل ایک نجی تجربے سے نکل کر اجتماعی احساس کی نمائندہ صنف بن گئی۔

اسی فکری و ادبی فضا میں سیاست بطور موضوع غزل میں داخل ہوتی ہے۔ اگرچہ ابتدا میں یہ عمل محتاط اور علامتی انداز میں سامنے آیا، تاہم رفتہ رفتہ یہ ایک واضح اور توانا روایت کی صورت اختیار کر گیا۔ بعض شعرا نے اس میدان میں محض وقتی ردِ عمل کا اظہار کیا، مگر چند ایسے بھی تھے جنھوں نے سیاسی شعور کو اپنی تخلیقی بصیرت کا حصہ بنا کر اسے دیرپا ادبی قدر میں تبدیل کیا۔ اس ضمن میں حبیب جالب، فیض احمد فیض اور احمد فراز جیسے شعرا کے نام نہایت اہمیت کے حامل ہیں، جنھوں نے اپنے اپنے اسلوب میں مزاحمتی شاعری کو فکری گہرائی اور اخلاقی جرات عطا کی۔

خصوصاً احمد فراز کا عہد سیاسی ابتری، آمریت، جبر اور سماجی ناہمواریوں سے عبارت تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اظہارِ رائے پر پابندیاں، طاقت کا ارتکاز اور عوامی حقوق کی پامالی عام تھی۔ ایسے ماحول میں شاعر کا کردار محض جمالیاتی اظہار تک محدود نہیں رہ سکتا تھا۔ چناں چہ فراز نے اپنے شعری نظام میں ''عاشق'' کے کردار کو ایک نئے مفہوم کے ساتھ پیش کیا۔ یہ عاشق روایتی بے بس اور محکوم نہیں بلکہ ایک باشعور، خود آگاہ اور مزاحمتی کردار ہے، جو اپنے عہد کے سیاسی اور سماجی مسائل کو نہ صرف محسوس کرتا ہے بلکہ ان کے خلاف آواز بھی بلند کرتا ہے۔

اس پس منظر میں جب فراز کی شاعری کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ انھوں نے شعوری طور پر اپنے اظہار کو ایک ایسے فکری دھارے سے جوڑا جو حبیب جالب کی جراتِ اظہار اور فیض احمد فیض کی فکری وسعت سے ہم آہنگ ہے۔ تاہم فراز کا امتیاز یہ ہے کہ انھوں نے اس مزاحمتی شعور کو غزل کے روایتی کردار ''عاشق''

کے ذریعے پیش کیا، جو بیک وقت رومانوی، سماجی اور سیاسی سطحوں پر متحرک دکھائی دیتا ہے۔ جدید اردو غزل کے اسی وسیع تناظر میں یہ کہنا بجا ہو گا کہ موضوعاتی تنوع نے نہ صرف غزل کی ہیئت کو زندہ رکھا بلکہ اسے ایک نئے عہد کے تقاضوں سے ہم آہنگ بھی کیا۔ غزل گو شعرا نے اس صنف کے ذریعے جہاں اصلاحی پہلوؤں کو اجاگر کیا، وہیں سماجی ناقدروں پر طنز اور سیاسی نظام پر تنقید کو بھی ایک فنی وقار کے ساتھ پیش کیا۔ احمد فراز نے اسی روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے اپنے عاشق سے سیاسی سطح پر ایسے کام لیے جو محض احتجاج تک محدود نہیں بلکہ ایک مکمل فکری اور اخلاقی موقف کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ فراز کے حوالے سے فیض احمد فیض لکھتے ہیں:

> ''احمد فراز کے کلام میں خیال اور جذبے کا قالب اور شعر کا لباس الگ الگ دکھائی نہیں دیتے بلکہ آپس میں پیوست ہیں۔ شاعر کو ہی یہ بات نصیب ہوتی ہے جب اس کا جذبہ اور اس کا فن دونوں یکساں پُر خلوص اور یکساں سچے ہوں۔ یہی خلوص اور سچائی احمد فراز کے کلام کی امتیازی خصوصیت ہے۔''(1)

فراز کی سیاسی شاعری کا امتیاز یہ ہے کہ یہ کسی وقتی جذباتیت یا نعرہ بازی کا نتیجہ نہیں بلکہ ایک گہری شعوری کاوش کا مظہر ہے۔ انھوں نے اپنے عاشق کو ایک ایسے کردار میں ڈھالا جو نہ صرف حالات کا ادراک رکھتا ہے بلکہ ان کے خلاف مزاحمت کو اپنا فریضہ سمجھتا ہے۔ اس طرح ان کا عاشق سیاسی نظام کی خامیوں، حکمرانوں کی نااہلی اور طاقت کے ناجائز استعمال پر نہایت جرات مندی سے تنقید کرتا ہے۔ یوں فراز کی غزل میں رومان اور سیاست ایک دوسرے سے متصادم نہیں بلکہ ایک دوسرے کے تکمیل کے طور پر سامنے آتے ہیں۔

احمد فراز کے کلام میں عاشق کا کردار محض ایک داخلی یا رومانوی تجربے کی علامت نہیں رہتا بلکہ وہ ایک ایسے فعال اور بیدار شعور کی نمائندگی کرتا ہے جو اپنے عہد کے سیاسی جبر اور سماجی ناہمواریوں کے خلاف ایک مسلسل مزاحمتی رویّہ اختیار کیے ہوئے ہے۔ یہ عاشق اپنے وجود کی معنویت کو صرف محبوب کے گرد محدود نہیں کرتا بلکہ اسے ایک وسیع تر قومی اور اجتماعی تناظر میں دیکھتا ہے، جہاں اس کی وابستگی وطن اور عوام کے ساتھ جڑ جاتی ہے۔

فراز کے ہاں عاشق کی تشکیل اس انداز سے کی گئی ہے کہ وہ محض احساسات کا ترجمان نہیں بلکہ عمل اور ردِ عمل کا پیکر بن کر سامنے آتا ہے۔ اس کے کردار میں سیاسی مزاحمت کوئی عارضی یا سطحی جذبہ نہیں بلکہ ایک گہرا، راسخ اور شعوری رویّہ ہے، جو اس کی فکر اور شخصیت میں سرایت کیے ہوئے دکھائی دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی مزاحمت

ذاتی مفادات، انفرادی دکھوں یا محدود دائرۂ احساس تک محدود نہیں رہتی بلکہ قومی سطح پر ایک بڑے مقصد سے جڑ جاتی ہے۔ اس کے لیے وطنِ عزیز پاکستان اور اس کے عوام کی فلاح، انصاف کا قیام اور ظلم کے خاتمے کی جدوجہد بنیادی اہمیت اختیار کر لیتی ہے۔

یہ عاشق اپنے گرد و پیش کے حالات سے بے خبر نہیں رہتا بلکہ اپنے عہد کے سیاسی نظام، طاقت کے ڈھانچوں اور سماجی رویّوں کا باریک بینی سے جائزہ لیتا ہے۔ جہاں کہیں اسے جبر، استحصال یا ناانصافی کا احساس ہوتا ہے، وہاں اس کا ردِ عمل فوری اور بے باک ہوتا ہے۔ وہ خاموش تماشائی بن کر نہیں رہتا بلکہ مزاحمت کو اپنا فریضہ سمجھتے ہوئے عملی اور فکری سطح پر سامنے آتا ہے۔ اس کی یہ کیفیت اس امر کی غماز ہے کہ فراز کے ہاں عاشق ایک غیر متحرک یا تقدیر کے سامنے جھک جانے والا کردار نہیں بلکہ ایک زندہ، متحرک اور باوقار انسان ہے جو حالات کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے بجائے ان کا مقابلہ کرتا ہے۔ فراز کے عاشق کی یہ مزاحمت محض احتجاجی نعرہ نہیں بلکہ ایک اخلاقی اور فکری موقف کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اس کے نزدیک ظلم کے خلاف آواز بلند کرنا نہ صرف ایک سماجی ذمہ داری ہے بلکہ ایک انسانی فریضہ بھی ہے۔ یہی شعور اسے اس قابل بناتا ہے کہ وہ ہر اس قوت کے مقابل کھڑا ہو جائے جو عوام کے حقوق سلب کرنے یا انھیں فکری و عملی طور پر غلام بنانے کی کوشش کرے۔ یوں فراز کے کلام میں عاشق کا کردار سیاسی سطح پر ایک ایسے مزاحمتی استعارے میں ڈھل جاتا ہے جو اپنے عہد کی ناانصافیوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا ہے، اور جو اپنی ذات سے بلند ہو کر ایک اجتماعی ضمیر کی آواز بن جاتا ہے۔ فراز کہتے ہیں؛

اماں مانگو نہ ان سے دل فگاراں ہم نہ کہتے تھے
غنیم شہر ہیں چابک سواراں ہم نہ کہتے تھے
فراز ! اہل ریّا نے شہر دشمن ہم کو ٹھہرایا
خطا یہ تھی کہ مدح شہر یاراں ہم نہ کہتے تھے(2)

فراز کے عاشق میں یہ صفت موجود ہے کہ وہ ہمیشہ دیدہ دلیری کا مظاہرہ کرتا ہے۔ جو بھی کہتا ہے اس پر ڈٹ کر قائم رہتا ہے۔ اکثر شعرا اشاروں کنایوں کا سہارا لیتا ہے لیکن فراز کے ہاں ایسا نہیں۔ اس وجہ سے فراز کو خود ساختہ جلاوطنی اختیار کرنا پڑی۔ اعلیٰ طبقہ فراز کی اس عادت سے نالاں تھا اور فراز ہمیشہ معتوب رہے۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری فراز کے متعلق لکھتے ہیں:

"وہ ہر قسم کے ظلم و ستم کا دفاع کرنے کی ہمت رکھتے تھے اور اپنے عزم و ہمت کو اپنی غزلوں میں استعمال کرتے تھے۔ آج سے نہیں ابتدائی شاعری سے ان کا ایک ہی رویہ تھا اور وہ بھی ترقی پسند تعمیری سوچ کے حوالے سے اپنی غزلوں کے ذریعے اہل پاکستان کو جینے کا تازہ حوصلہ دے رہے تھے۔"(3)

احمد فراز کے شعری رویّے کا ایک بنیادی اور امتیازی پہلو ان کی غیر متزلزل حق پرستی ہے، جو محض ایک اخلاقی دعوے کے طور پر نہیں بلکہ ان کے فکری اور تخلیقی نظام کے مرکزی عنصر کے طور پر سامنے آتی ہے۔ ان کے ہاں "عاشق" کا کردار اسی حق گوئی کی صفت سے مزین ایک ایسا باوقار اور جری پیکر ہے جو حالات کی سختی، طاقت کے جبر اور سماجی دباؤ کے باوجود سچائی سے انحراف نہیں کرتا۔ یہ خصوصیت اسے اردو شاعری کے روایتی عاشق سے یکسر مختلف اور زیادہ فعال و بیدار کردار میں تبدیل کر دیتی ہے۔

اردو ادب کی تاریخ میں اگرچہ حق گوئی کی روایت موجود رہی ہے، تاہم اس روایت کو جس فنی نفاست، تہذیبی شائستگی اور فکری توازن کے ساتھ فراز نے برتا ہے، وہ کم شعرا کے ہاں دیکھنے کو ملتا ہے۔ ان کے ہاں سچائی کا اظہار نہ تو محض جارحانہ نعرہ بن کر سامنے آتا ہے اور نہ ہی مصلحت کا شکار ہو کر اپنی تاثیر کھو دیتا ہے، بلکہ ایک ایسے معتدل مگر پُراثر اسلوب میں ظاہر ہوتا ہے جو قاری کے شعور کو جھنجھوڑنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

فراز کا عاشق اس حوالے سے ایک نمایاں مثال ہے کہ وہ طاقت کے سامنے مرعوب ہونے یا مصلحت کا شکار ہونے کے بجائے جرات اور استقامت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ عام انسانی رویّہ یہ ہے کہ جب فرد کسی مقتدر قوت کے سامنے آتا ہے تو خوف، مفاد یا دباؤ کے باعث خاموشی اختیار کر لیتا ہے یا اپنے موقف سے پیچھے ہٹ جاتا ہے، مگر فراز کا عاشق اس عمومی نفسیات سے انحراف کرتے ہوئے ایک ایسی اخلاقی قوت کا اظہار کرتا ہے جو اسے ہر قسم کے جبر کے مقابل ڈٹ جانے کا حوصلہ فراہم کرتی ہے۔

یہ جرات محض جذباتی ردِ عمل نہیں بلکہ ایک شعوری اور فکری استقامت کا نتیجہ ہے، جس میں حق کو پہچاننے اور اس پر قائم رہنے کا عزم شامل ہے۔ اسی لیے اس کے کردار میں بہادری اور حق گوئی لازم و ملزوم نظر آتے ہیں۔ وہ نہ صرف سچ کو بیان کرتا ہے بلکہ اس کے نتائج کو بھی قبول کرنے کے لیے تیار رہتا ہے، چاہے اس کی قیمت اسے سماجی تنہائی، مخالفت یا الزامات کی صورت میں کیوں نہ ادا کرنی پڑے۔

Journal of Research (Urdu)
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E):1816-3424
Volume No. 42, Issue No. 1, June 2026

یوں فراز کے ہاں عاشق کا کردار ایک ایسے فرد کی علامت بن جاتا ہے جو سچائی، جرات اور خودداری کا پیکر ہے۔ یہ کردار قاری کو یہ باور کراتا ہے کہ اصل وقار طاقت کے سامنے جھکنے میں نہیں بلکہ حق پر قائم رہنے میں ہے، اور یہی وہ فکری اور اخلاقی مقام ہے جہاں فراز کی شاعری محض ادبی اظہار سے بلند ہو کر ایک عملی اور اصلاحی پیغام کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ فراز کہتے ہیں؛

کب ہم نے کہا تھا ہمیں دستار و قبا دو
ہم لوگ نواگر ہیں ہمیں اذن نوا دو
ہم آئینے لائے ہیں سرِ کوئے رقیباں
اے سنگ فروشو یہی الزام لگا دو[4]

فراز کا عاشق متعصب اشخاص پر ہمیشہ تنقید کرتا ہے۔ ان کے ہاں ایک طرح کی فکری شعور موجود ہے جس کے ذریعے ان کی مزاحمت میں تہذیب پائی جاتی ہے۔ ان کی حق گوئی کے حوالے سے سید ضمیر جعفری لکھتے ہیں:

> ''عموماً دیکھنے میں آیا ہے کہ اگر شاعری میں سچ زیادہ ہو تو ادب (آرٹ) کم ہو جاتا ہے مگر فراز کے کمال نے سچ اور آرٹ دونوں کو انتہائی خوبصورتی سے شیر و شکر کر دیا ہے۔ چنانچہ اگر یہ سچ ہے کہ زندگی کی جنگ لفظوں سے لڑی جاتی ہے تو مزاحمت اور آسودگی زندگی کے دونوں محاذوں پر فراز کی پیش قدمی میں کوئی کلام نہیں۔''[5]

احمد فراز کے کلام میں عاشق کا کردار محض وقتی جوش یا جذباتی وابستگی کا حامل نہیں بلکہ ایک ایسے پختہ اور ثابت قدم رویّے کی نمائندگی کرتا ہے جس میں استقلال اور بلند ہمتی بنیادی اوصاف کے طور پر نمایاں ہیں۔ یہ عاشق اپنے عہد کے حالات سے صرف متاثر نہیں ہوتا بلکہ ان کے مقابل ایک واضح اور مضبوط مؤقف اختیار کرتا ہے، جس میں اس کی استقامت اسے ایک منفرد مزاحمتی کردار بنا دیتی ہے۔

فراز کے عاشق کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ مظلوم اور پسے ہوئے طبقے کی آواز بنتا ہے۔ وہ ان طبقات کی نمائندگی کرتا ہے جو طاقت کے ایوانوں میں اپنی بات پہنچانے سے قاصر ہوتے ہیں۔ اس کا یہ کردار محض ہمدردی تک محدود نہیں بلکہ عملی سطح پر مزاحمت کی صورت اختیار کر لیتا ہے، جہاں وہ ظلم، استحصال اور ناانصافی کے خلاف مسلسل آواز بلند کرتا ہے۔ اس کی وابستگی کسی ذاتی مفاد یا وقتی فائدے سے نہیں بلکہ ایک وسیع تر انسانی اور اجتماعی

Journal of Research (Urdu)
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E):1816-3424
Volume No. 42, Issue No. 1, June 2026

شعور سے جڑی ہوتی ہے۔

یہ بھی اہم ہے کہ اس عاشق کی آواز کو دبانے کی کوششیں بارہا کی جاتی ہیں۔ طاقت کے مراکز، خواہ وہ سیاسی ہوں یا سماجی، ایسے کردار کو اپنے لیے خطرہ محسوس کرتے ہیں جو بے خوفی کے ساتھ سچ کا اظہار کرے۔ چناں چہ اسے خاموش کرانے، اس کی مزاحمت کو کمزور کرنے یا اسے حاشیے پر دھکیلنے کی کوششیں کی جاتی ہیں، مگر فراز کا عاشق ان تمام دباؤ کے باوجود اپنی استقامت برقرار رکھتا ہے۔ وہ نہ تو خوف کا شکار ہوتا ہے اور نہ ہی مصلحت کا، بلکہ ہر نئی رکاوٹ کے بعد اس کی مزاحمت مزید مضبوط ہو کر سامنے آتی ہے۔ اس کی مزاحمت کا دائرہ بھی خاصا وسیع ہے۔ وہ صرف بیرونی یا ملک دشمن عناصر تک محدود نہیں رہتا بلکہ اپنے ہی معاشرے میں موجود ان قوتوں کو بھی ہدفِ تنقید بناتا ہے جو اقتدار کے نشے میں عوامی حقوق کو پامال کرتی ہیں۔ حکومتی عہدیدار، ریاستی نمائندے اور طاقت کے دیگر مراکز بھی اس کی تنقید سے محفوظ نہیں رہتے، کیوں کہ اس کے نزدیک ظلم کی کوئی بھی صورت، خواہ وہ کسی بھی سطح پر ہو، قابلِ مزاحمت ہے۔

یوں فراز کے عاشق کا کردار ایک ایسے استعارے میں ڈھل جاتا ہے جو استقلال، جرات اور بلند ہمتی کا مظہر ہے۔ وہ نہ صرف مظلوموں کی آواز بنتا ہے بلکہ اپنے عہد کے جبر کے خلاف ایک مسلسل اور منظم مزاحمت کی علامت بھی بن جاتا ہے، جو ہر حال میں حق اور انصاف کے قیام کے لیے سرگرم رہتی ہے۔ فراز کہتے ہیں؛

ہم کج ادا چراغ کہ جب بھی ہوا چلی
طاقوں کو چھوڑ کر سر دیوار آ گئے
سورج کی روشنی پہ جنھیں ناز تھا فراز
وہ بھی تو زیرِ سایہ دیوار آ گئے(6)

یا یہ اشعار دیکھیں:

اک بوند تھی لہو کی سردار تو گری
یہ بھی بہت ہے خوف کی تلوار تو گری
کچھ سر بھی کٹ گرے ہیں پہ کہرام تو مچا
یوں قاتلوں کے ہاتھ سے تلوار تو گری(7)

احمد فراز کے ہاں عاشق کا کردار محض ذاتی احساسات کا حامل نہیں بلکہ ایک ایسا بیدار اور ذمہ دار شعور ہے جو اپنے عہد کے سیاسی حالات کا گہرا ادراک رکھتا ہے۔ جب بھی معاشرے میں سیاسی بد نظمی، انتشار اور ادارہ جاتی کمزوریوں کا احساس ابھرتا ہے تو فراز کا عاشق اسے محض ایک خارجی واقعہ سمجھ کر نظر انداز نہیں کرتا بلکہ اس کے خلاف مزاحمت کو اپنا اخلاقی اور فکری فریضہ تصور کرتا ہے۔ اس کے نزدیک خاموشی اختیار کرنا دراصل ناانصافی کی تائید کے مترادف ہے، اس لیے وہ ہر اس صورتِ حال میں آواز بلند کرتا ہے جہاں اجتماعی نظام بگاڑ کا شکار ہو۔ فراز کے عاشق کی تنقید کا رخ بالخصوص اس سیاسی طبقے کی طرف بھی ہے جو بظاہر حب الوطنی اور عوامی خدمت کے دعوے کرتا ہے، مگر عملی سطح پر ان دعوؤں کی نفی کرتا دکھائی دیتا ہے۔ یہ عاشق سیاسی بیانیوں اور حقیقت کے درمیان موجود تضاد کو نہایت باریک بینی سے محسوس کرتا ہے اور اسے اپنے اظہار کا حصہ بناتا ہے۔ اس کے نزدیک اگر قیادت واقعی اپنے وطن اور عوام سے مخلص ہوتی تو معاشرہ اس نوع کی مسلسل سیاسی بے یقینی، بدانتظامی اور بحران کا شکار نہ ہوتا۔

تاہم فراز کے عاشق کی مزاحمت محض الزام تراشی یا سطحی ردِ عمل نہیں بلکہ ایک سنجیدہ اور اصلاحی شعور کی حامل ہے۔ وہ سیاسی کرداروں کی کوتاہیوں کو محض فردی سطح پر نہیں دیکھتا بلکہ انہیں ایک وسیع تر نظامی خرابی کے تناظر میں سمجھتا ہے۔ اس کی نظر میں مسئلہ صرف افراد کا نہیں بلکہ وہ رویّے اور ڈھانچے ہیں جو مفاد پرستی، اقتدار پسندی اور عوامی حقوق سے غفلت کو جنم دیتے ہیں۔ اسی لیے اس کا احتجاج ایک تعمیری سمت رکھتا ہے۔ وہ محض انکار یا نفی پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ ایک ایسے سماج کی خواہش بھی رکھتا ہے جہاں سیاسی قیادت واقعی عوام کی نمائندہ ہو، جہاں وعدے محض الفاظ نہ ہوں بلکہ عملی صورت اختیار کریں، اور جہاں ریاستی نظام انصاف، دیانت اور جوابدہی کی بنیاد پر استوار ہو۔ یوں فراز کا عاشق سیاسی بد نظمی کے مقابل ایک بیدار ضمیر کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ وہ نہ صرف حالات کی نشاندہی کرتا ہے بلکہ ایک اخلاقی معیار بھی قائم کرتا ہے، جس کے ذریعے وہ سیاست اور قیادت کو پرکھتا ہے، اور یہی رویّہ اسے محض ایک رومانوی کردار سے بلند کر کے ایک فکری اور سماجی مصلح کے مقام پر فائز کر دیتا ہے۔ سادیہ قریشی احمد فراز کی سیاسی مزاحمت کے حوالے سے لکھتی ہیں:

> ”نوجوانوں کی احمد فراز کے لیے وارفتگی کمال تھی۔ وہ نوجوانوں کا پسندیدہ شاعر تھا۔ کچھ نقادوں کی کوتاہ نظری صرف یہیں تک دیکھ سکی اور انھوں نے فراز کو چھوٹے موٹے معاشقوں کا شاعر کہا مگر احمد فراز کی گونجتی ہوئی آواز نے آمریت کی چھت میں بھی دراڑیں ڈالیں۔ وہ ایک انقلابی

شاعر بھی تھا۔"[8]

احمد فراز کے کلام میں عاشق کا سیاسی مزاحمتی کردار اپنی شدت، وسعت اور فکری گہرائی کے اعتبار سے نہایت توانا اور فعال صورت میں سامنے آتا ہے۔ یہ عاشق محض کسی داخلی اضطراب یا ذاتی واردات کا نمائندہ نہیں بلکہ اپنے عہد کے اجتماعی کرب اور سیاسی انتشار کو بھی پوری شدت کے ساتھ محسوس کرتا ہے۔ اسی لیے اس کی شخصیت میں ایک دوہرا احساس بیک وقت کارفرما دکھائی دیتا ہے۔ ایک طرف غمِ جاناں کی لطافت اور دوسری طرف غمِ دوراں کی سنگینی۔

فراز کے عاشق کی انفرادیت یہ ہے کہ وہ روایتی عشاق کی طرح صرف محبوب کے فراق، بے وفائی یا حسن کے جلوؤں میں محو نہیں رہتا بلکہ اپنے گرد و پیش کے سیاسی حالات، سماجی ناہمواریوں اور قومی مسائل کو بھی اپنی ذات کا حصہ بنا لیتا ہے۔ یوں اس کا دائرۂ احساس ذاتی سے نکل کر اجتماعی سطح تک پھیل جاتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں اس کا عشق ایک وسیع تر معنویت اختیار کر لیتا ہے اور وہ ایک ایسے کردار میں ڈھل جاتا ہے جو محبت کے ساتھ ساتھ شعور، درد مندی اور مزاحمت کا استعارہ بن جاتا ہے۔

غمِ جاناں اور غمِ دوراں کا یہ امتزاج اس کے کردار کو نہ صرف گہرائی عطا کرتا ہے بلکہ اس کی مزاحمت کو بھی ایک اخلاقی جواز فراہم کرتا ہے۔ وہ محبوب کے دکھ کو بھی اسی شدت سے محسوس کرتا ہے جس شدت سے معاشرے میں پھیلے ہوئے ظلم، جبر اور ناانصافی کو۔ یہی ہم آہنگی اسے ایک ایسے حساس اور بیدار انسان میں تبدیل کر دیتی ہے جو اپنے ذاتی جذبات کو اجتماعی دکھ سے جدا نہیں کرتا۔

فراز کے عاشق کی مزاحمت اس لیے بھی بھرپور نظر آتی ہے کہ اس کے پیچھے محض ردِ عمل نہیں بلکہ ایک مسلسل شعوری عمل کارفرما ہے۔ وہ اپنے عہد کے تضادات کو سمجھتا ہے، ان کے اسباب پر غور کرتا ہے اور پھر ایک واضح اور جرات مندانہ انداز میں ان کے خلاف آواز بلند کرتا ہے۔ اس کا یہ رویّہ اسے محض ایک رومانوی کردار سے بلند کر کے ایک ایسے فکری پیکر میں تبدیل کر دیتا ہے جو اپنے زمانے کے دکھوں کا امین بھی ہے اور ان کے خلاف مزاحمت کی علامت بھی۔

یوں کہا جا سکتا ہے کہ فراز کا عاشق جہاں ایک طرف محبت کی روایت کو آگے بڑھاتا ہے، وہیں دوسری طرف اپنے عہد کے سیاسی اور سماجی مسائل کو بھی اپنے وجود میں سمو کر ایک ہمہ جہت اور بامعنی کردار کی صورت اختیار کر لیتا

ہے، جس میں غمِ جاناں اور غمِ دوراں ایک دوسرے کے متوازی نہیں بلکہ باہم مربوط اور تکمیلی صورت میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔

احمد فراز کے کلام میں عاشق کا کردار مجموعی طور پر ایک ہمہ جہت، باشعور اور مزاحمتی پیکر کے طور پر سامنے آتا ہے، جو روایتی رومانوی حدود سے نکل کر سماجی، سیاسی اور اخلاقی سطحوں پر اپنی بھرپور موجودگی کا احساس دلاتا ہے۔ یہ عاشق جہاں غمِ جاناں کی کیفیات سے وابستہ ہے، وہیں غمِ دوراں کو بھی اپنی ذات کا حصہ بنا کر ایک وسیع تر اجتماعی شعور کا نمائندہ بن جاتا ہے۔ فراز کا عاشق حق گوئی، جرات، استقلال اور بلند ہمتی جیسی صفات سے مزین ہے، جس کی مزاحمت محض جذباتی ردِ عمل نہیں بلکہ ایک سنجیدہ فکری اور اخلاقی موقف کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ وہ ظلم، جبر، سیاسی بد نظمی اور مذہبی و سماجی استحصال کے خلاف آواز بلند کرتا ہے اور کسی بھی طاقت کے سامنے سرِ تسلیم خم نہیں کرتا۔ یوں یہ کردار اردو غزل میں ایک نئے انسان کی علامت بن کر ابھرتا ہے، جو محبت کے ساتھ ساتھ شعور، مزاحمت اور انسانی وقار کا بھی علمبردار ہے اور اپنے عہد کے مسائل کا مقابلہ جرات اور فکری پختگی کے ساتھ کرتا ہے۔

حوالہ جات وحواشی

1۔ زاہدہ جبیں، وہ جو شہرِ سخن تھا(لاہور: گوہر پبلی کیشنز، اُردو بازار، س۔ن)، ص118
2۔ احمد فراز، پس انداز موسم(اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، 1998)، ص142,143
3۔ شہرِ سخن آراستہ ہے، مضمون، احمد فراز بھی رخصت ہوئے، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ص80
4۔ احمد فراز، بے آواز گلی کوچوں میں (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، 1998)، ص26
5۔ وہ جو شہرِ سخن تھا، زاہدہ جبیں، مضمون آتش فشاں، سید ضمیر جعفری، ص27
6۔ پس انداز موسم، ص، 91
7۔ بے آواز گلی کوچوں میں، ص70
8۔ زاہدہ جبیں، وہ جو شہرِ سخن تھا، مضمون ؛احمد فراز پاکستان کا پابلو نرودا، سادیہ قریشی (لاہور: گوہر پبلی کیشنز، اُردو بازار، س۔ن)، ص46